ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

Vol.5 No.3 2021

لغات القرآن از غلام احمد پرویز میں عقائد الٰہیات اور پرویزی تفردات کا جائزہ

Analysis of Anomalous interpretations in Deity beliefs in Lughatul Quraan by G.A Pervez

***Abdul Rehman, **Prof. Dr. Muhammad Saad Siddiqui**

ABSTRACT

Human is a combination of body and soul. If the nourishment and pleasure of the body is connected with worldly possessions, then the freshness of the soul is special with the knowledge of Allah. The first and foremost duty of a man is to know about Allah Almighty who created him. When a man acquires the correct knowledge of the essence of Allah Almighty, there is no difficulty left for him to know the reality of the world. The first addressee of the Holy Qur'an is human being to whom Allah Almighty specially informs about himself that he is the Sovereign, the Creator, most Gracious and most Merciful, Omniscient, the first and the last, Ever - Living and Subsistent Fount of all being. However, a large part of the Holy Qur'an deals with same this topic. This topic is interpreted in the books of beliefs as "Tawheed Asma wa Sifaat". But those who have an opinion on the names and attributes of Allah have different views eventually they have scattered in different sects. The correct view among them is the view of Ahl-Sunnah wa'l-Jama'ah which is in accordance with the Qur'an and Sunnah that is, Allah is one in his essence and names and attributes and is unique and unparalleled as Allah Almighty has said that there is no one like him. That is to say, the proof of the thing is that he hears and sees, he knows and speaks, but it all is according to his glory, his example cannot be described and his condition cannot be described. That is, there is affirmation, but without analogy and allegory. Whereas some others completely denied the entity and characteristics of Allah Almighty and were called Jahmia, Mutazila, Asha'irah and. Some took the path of Unrealistic meanings and were called Mu'awwilah, Mushabbiha, and. Similarly, some are called Qadriyah, Jabriyah and Murjiah. In fact, all of them have preferred their intellect over narration in understanding the essence of Allah Almighty. Even in our subcontinent, some have preferred the same intellect over the narration in understanding and describing the oneness Allah's names and attributes, due to which they have deviated from the correct view. G.A. Pervez, the author of Lughat-ul-Quraan, has also committed interpretation and denial in the names and attributes of Allah Almighty. For example, he interprets the "وجہ اللہ" as the path and destination that leads to Allah Almighty. He interprets the "العرش العظیم" as sovereign and central control. He does not refer to "الماء" as water in Holy Verse "عرشہ علی الماء" but calls it allegory and simile. The real reason for this denial and interpretation is his rational speculations, which will be rectify in this research paper.

Key Words: *Tawheed, Asma wa Sifaat, Pervaiz, Lughatul Quraan, Tafarudat, Tashbeeh, Taweel, Haqeeqat and Majaz*

توحید اسماء وصفات میں اہل سنت والجماعت کا موقف

امام ابو حنیفہ "الفقہ الاکبر" میں رقمطراز ہیں:

---

*Ph.D. Scholar, Institute of Islamic Studies, Punjab University, Lahore, Lecturer in Islamiat, Govt. Millat Graduate College, G.M Abad Faisalabad

**Institute of Islamic Studies, P.U, Lahore

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

Vol.5 No.3 2021

تلخیص: "وَالله تَعَالَى وَاحِد لَا يشبه شَيْئا وَلَا يُشبههُ شَيْء من خلقه لم يزل وَلَا يزَال بأسمائه وَصِفَاته الذاتية كَالْقُدْرَة وَالْعلم وَالْكَلَام والسمع وَالْبَصَر والارادة والفعليةكالتخليق والترزيق والإنشاء والإبداع والصنع. وَصِفَاته كلهَا بِخِلَاف صِفَات المخلوقين يعلم لَا كعلمنا وَيقدر لَا كقدرتنا وَيرى لَا كرؤيتنا وَيتَكَلَّم لَا ككلامنا وَيسمع لَا كسمعنا. فَمَا ذكره الله تَعَالَى فِي الْقُرْآن من ذكر الْوَجْه وَالْيَد وَالنَّفس فَهُوَ لَهُ صِفَات بِلَا كَيفَ وَلَا يُقَال إِن يَده قدرته اَوْ نعْمَته لِأَن فِيهِ إبِطَال الصّفة وَهُوَ قَول أهل الْقدر والاعتزال وَلَكِن يَده صفته بِلَا كَيفَ وَالْقَضَاء وَالْقدر والمشيئة صِفَاته فِي الْأَزَل بِلَا كَيفَ.[1]

اللہ تعالیٰ ایک ہیں، وہ مخلوق میں سے کسی کے مشابہ نہیں اور نہ ہی مخلوق اللہ تعالیٰ کے مشابہ ہے، وہ ازلی ہے اور اس کے اسماء وصفات بھی ازلی ہیں جیسا کہ قدرت رکھنا، بات کرنا، سننا، دیکھنا، ارادہ کرنا، پیدا کرنا، رزق دینا، بنانا، وجود میں لانا۔ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات مخلوق کی صفات سے ہٹ کر ہیں، اس کا جاننا، قدرت رکھنا، دیکھنا، بات کرنا اور سننا ہمارے جاننے، قدرت رکھنے بات کرنے اور سننے کی طرح نہیں ہے۔ اور جو قرآن کریم میں چہرے، ہاتھ اور نفس کا ذکر آیا ہے یہ سب اس کی صفات ہیں لیکن ان کی کیفیت بیان نہیں کی جاسکتی، یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس کے ہاتھ سے مراد قدرت یا نعمت ہے، کیونکہ ایسا کہنے سے صفات کا انکار لازم آتا ہے اور یہ قدریہ اور معتزلہ کا عمل ہے، یقیناً اس کا ہاتھ بغیر کیفیت کے اس کی صفت ہے۔ قضاء وقدر اور مشیئت اللہ تعالیٰ کی ازلی صفات ہیں جن میں کیفیت کو دخل نہیں ہے۔

توحید اسماء وصفات میں غلام احمد پرویز کا موقف

"وسع کرسیہ السموات والأرض"، کرسی سے مراد علم ہے[2]۔

لفظ "**کرسیه**" میں کرسی کی اضافت اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف کی ہے۔ اب "کرسی" سے کیا مراد ہے؟ اس میں بعض لوگ اس کی حقیقت سے انکاری ہیں اور کچھ اس کی تاویل "علم" سے کرتے ہیں۔ تاویل کی راہ اختیار کرنے والے لفظِ "کرسی" کو مجازی معنی پر محمول کرتے ہیں۔ غلام احمد پرویز کے نزدیک بھی کرسی سے مراد اللہ تعالیٰ کا علم ہے۔ یہ تاویل کس حد تک درست ہے یا غیر درست ہے؟ اس کا جائزہ ذیل میں پیش کیا جارہا ہے؛

لفظ کی حقیقی ومجازی دلالت:

سب سے پہلے لفظ کی دلالت کو دیکھا جاتا ہے آیا حقیقی ہے یا مجازی؟ لغوی ہے یا اصطلاحی؟۔ اصول یہی ہے کہ لفظ کو اس کے حقیقی معنی پر محمول کیا جائے جب تک کہ کوئی قرینہ نہ پایا جائے جو اس کو مجازی معنی کی طرف لے جائے۔ اس سلسلہ میں ائمہ لغت اور ائمہ اصولیین کے ملاحظات مندرجہ ذیل ہیں؛

علامہ زبیدی علامہ سبکی کے حوالہ سے لکھتے ہیں: "أَن الأَصلَ الحقيقةُ، والمجازَ خلافُ الأَصلِ، فَإِذا دارَ اللفظُ بَين احتمالِ المجازِ واحتمالِ الحقيقةِ فاحتمالُ الحقيقةِ أَرجح" [3] اصولی بات یہ ہے کہ حقیقی معنی کو ہی لفظ کی اصل دلالت قرار دیا جائے گا، جب لفظ حقیقی اور مجازی دونوں معانی کا متحمل ہو تو حقیقی معنی ہی راجح قرار پائے گا۔

امام غزالی لکھتے ہیں: "فَاللَّفْظُ لِلْحَقِيقَةِ إلَى أَنْ يَدُلَّ الدَّلِيلُ أَنَّهُ أَرَادَ الْمَجَازَ... فَإِنَّ الْمَجَازَ إنَّمَا يُصَارُ إلَيْهِ لِعَارِضٍ "[4]
لفظ کو اس وقت تک حقیقت پر ہی محمول کیا جائے گا جب تک کوئی دلیل اسے مجاز کی طرف نہ لے جائے۔ کیونکہ، مجاز کی طرف تو صرف اسی صورت میں رجوع کیا جائے گا جب کوئی قرینہ پائے جائے گا۔

امام قرافی لکھتے ہیں: "وَالْحَقُّ أَنَّ الْأَصْلَ فِي الْإِطْلَاقِ الْحَقِيقَةُ وَلَا يُصَارُ إلَى الْمَجَازِ إلَّا عِنْدَ التَّعَذُّرِ"[5]
صحیح تو یہ ہے کہ لفظ کے استعمال میں حقیقی معنی ہی مراد لیا جائے اور مجازی معنی کی طرف التفات کیا ہی نہ جائے ہاں صرف اس وقت کہ جب حقیقی معنی مراد لینا مشکل ہو جائے"

مذکورہ بالا کبار ائمہ لغت والاصول کے اقتباسات سے معلوم ہوا کہ لفظ کی دلالت میں اصل اعتبار حقیقی معنی کا ہے، ہاں مگر جہاں حقیقی معنی مراد لینے میں کوئی قرینہ مانع ہو تب مجازی معانی مراد لیے جاتے ہیں۔ اب یہاں "کرسی" کے حقیقی معنی مراد لینے سے ایسا کوئی قرینہ مانع نہیں ہے جو اس کے حقیقی معنی سے اسے پھیر رہا ہو۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.5 No.3 2021

اہل لغت کے ہاں "کرسی" کا معنی:

علامہ ابن منظور افریقی لسان العرب میں امام زجاج کے حوالہ سے "کرسی" کے معنی پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں؛

زمین و آسمانوں کی حقیقت کرسی کے سامنے ایسے ہے جیسا کہ ایک کڑا ہو جو صحراء میں پڑا ہے۔ زجاج کہتے ہیں؛ یہ قول بالکل واضح ہے کیونکہ بے شک لغت میں "کرسی" کا جو معنی ہم جانتے ہیں وہ یہ ہے کہ ہر وہ چیز جس پر ٹیک لگائی جائے اور بیٹھا جائے، تو اس سے معلوم ہوا کہ کرسی بہت عظیم ہے اس کے نیچے زمین و آسمان ہیں۔[6]

یہ امام زجاج ہیں جو پرویز کے ہاں لغت میں قابل اعتبار ہیں، اپنی لغات میں سینکڑوں مقامات پر ان سے استفادہ کیا ہے۔ امام زجاج نے بھی کرسی کا معنی حقیقت پر ہی محمول کیا ہے نہ کہ مجاز پر۔

حدیث نبوی ﷺ میں کرسی کا مفہوم:

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا؛ "کونسی آیت سب سے افضل ہے جو آپ پر نازل ہوئی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا آیت الکرسی۔ ساتوں آسمان کرسی کے مقابلے میں ایسے ہی ہیں جیسا کہ ایک کڑا وسیع و عریض صحراء میں پڑا ہو۔ اور عرش کی فضیلت کرسی کی بنسبت ایسے ہے جیسا کہ اس وسیع و عریض صحراء کی فضیلت ہے اس کڑے کے مقابلہ میں"[7]۔

ائمہ سلف صالحین کے نزدیک "کرسی" کا مفہوم

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ساتوں آسمانوں کی حیثیت کرسی میں ایسی ہے جیسا کہ سات درہم کسی ڈھال میں ڈال دیے جائیں"[8]۔

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے "وسع کرسیہ" کے بارے میں ایک اور قول مروی ہے کہ کرسی سے مراد پاؤں کی جگہ ہے اور اس کرسی کی آواز ایسے ہے جیسا کہ کجاوے سے آواز نکلتی ہے اور عرش کی قدر اللہ کے سوا کوئی ایک بھی نہیں جانتا"[9]۔

امام ابن کثیر فرماتے ہیں" صحیح یہی ہے کہ کرسی عرش کے علاوہ ہے اور عرش کرسی سے بڑا ہے جیسا کہ آثار و اخبار سے یہی معلوم ہوتا ہے"[10]

امام ابن عطیہ فرماتے ہیں "احادیث جس چیز کی متقاضی ہیں وہ یہ ہے کہ کرسی عرش کے سامنے ایک عظیم مخلوق ہے اور عرش اس سے بھی بڑا ہے"[11]

امام رازی کرسی سے مراد ہونے پر کئی اقوال ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں "پہلا موقف ہی قابل اعتماد ہے یعنی کرسی عرش کے نیچے ایک عظیم مخلوق ہے۔ یہ قول اس لیے قابل اعتماد ہے کہ ظاہر کو بغیر کسی دلیل کے نہیں چھوڑا جاتا[12]۔

امام شوکانی فرماتے ہیں کرسی کا ظاہری معنی یہی ہے کہ یہ ایک مخلوق ہے جس کی صفات کے بارے میں کئی آثار مذکور ہیں۔ جبکہ معتزلہ وغیرہ نے کرسی کے وجود کی نفی کی ہے اور یہ اس بارے میں کھلی قسم کی غلطی کر بیٹھے ہیں بلکہ انتہائی فاسد قسم کی غلطی کی ہے، بعض بزرگوں نے کرسی سے مراد علم لیا ہے اور بعض نے اس سے مراد قدرت لی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اس کی عظمت کی بہت بڑی تصویر ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں، یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے بادشاہی مراد ہے۔ لیکن حق اور سچ پہلا قول ہی ہے یعنی یہ مخلوق ہے، اس قول سے ہٹ کر دوسرے کسی قول کی طرف جانے کا کوئی جواز ہی نہیں ہے[13]۔

نواب صدیق حسن خان کرسی کے معانی پر مختلف اقوال ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں "حق اور سچ پہلا قول ہی ہے جس میں کرسی سے مراد کوئی جسمانی چیز ہے جس کی صفات بیان کرتے ہوئے کئی آثار وارد ہوئے ہیں۔ یہاں حقیقی معنی سے منہ موڑنے کی کوئی وجہ معقول نہیں ہے یہ صرف خیالات ہیں، جو جہالت اور گمراہی کے سبب صادر ہوئے ہیں"[14]۔

امام ابن جزی کلبی لکھتے ہیں کہ "کرسی عرش کے سامنے ایک عظیم ترین مخلوق ہے، جو زمین اور آسمانوں سے بہت بڑی ہے، لیکن عرش کی بنسبت چھوٹی ہے"۔[15]

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.5 No.3 2021

- **"وجہ اللہ" کا صحیح مفہوم ہے، وہ مقصود، جو اللہ نے مقرر کر دیا ہے۔ وہ منزل جس کی طرف قوانین خداوندی لے جاتے ہیں یعنی انسان کا ہر عمل اس مقصد کے حصول کے لیے ہونا چاہیے جو اس کے لیے خدا نے مقرر کر دیا ہے۔**[16]

توحید اسماء وصفات میں تاویل اور تشبیہ تو پہلے معلوم تھی، مگر اس سلسلہ میں پرویز صاحب نے تحریف بھی متعارف کرا دی ہے۔ یعنی وجہ اللہ سے مراد ایک مخصوص منزل اور مقصد ہے۔ حالانکہ اس مفہوم کی گنجائش نہ مجازی معنی سے میل رکھتی ہے اور نہ ہی تاویل سے یہ سراسر انحراف ہے۔

مصادر لغات القرآن میں "**وجہ اللہ**" کا معنی مفہوم

علامہ رشید رضا تفسیر المنار میں اعتراف کرتے ہیں کہ "**الوجہ**" لغت میں اس سے مراد یہی کہ وہ مرکزی حصہ جس کے ساتھ کوئی شخص دوسرے کا سامنا کرے[17]۔

اسماء وصفات میں علامہ رشید رضا، جن سے پرویز عموماً استفادہ کرتے ہیں، اپنا موقف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں؛

اسلاف تو ان صفات کو ظاہر پر محمول کرتے تھے لیکن اس کے ساتھ وہ اللہ تعالیٰ کو مخلوق کی تمام تر انفعالات سے منزہ قرار دیتے تھے۔ اور خلف نے اس سلسلہ میں وارد نصوص کی تاویل کی ہے۔ صحیح موقف یہی ہے کہ تمام تر یہ صفات نصوص میں منقول ہیں۔ اور جب عقل و نقل دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو انسانوں کی مشابہت سے منزہ قرار دیا جائے تو یہ طے ہو جاتا ہے کہ ہم نصوص کے درمیان جمع و تطبیق کریں، تو ہم کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت حقیقت ہے لیکن انسانوں کی قدرت کی طرح نہیں، اس کی رحمت حقیقت ہے لیکن انسانوں کی رحمت کی طرح نہیں۔ اس سلسلہ میں وارد تمام جگہ پر ہم یہی اسلوب اختیار کریں گے تاکہ نصوص کے درمیان توافق پیدا ہو سکے[18]۔

پرویز عمومی طور پر علامہ رشید رضا کے افکار سے متاثر نظر آتے ہیں۔ مگر یہاں کس قدر تاویل و تحریف سے پاک صاف نظریہ کو چھوڑ دیا اور غیر مناسب تفرد اختیار کر لیا۔

نصوص قرآنیہ میں صفت "الوجہ" کا اثبات

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ (26) وَيَبْقَى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ (27)

ہر ایک جو اس (زمین) پر ہے، فنا ہونے والا ہے۔ اور تیرے رب کا چہرہ باقی رہے گا، جو بڑی شان اور عزت والا ہے۔

اس میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے بقاء کا اثبات ہے لیکن اس کے لیے "**الوجہ**" یعنی چہرے کا لفظ استعمال کیا گیا اور عربی اسلوب ہے جزء بول کر کل مراد لینا۔ کیونکہ چہرے کا بقاء ذات کے بقاء کو مستلزم ہے۔ ذات کے کا مطلب ہے کہ وہ زندہ رہے گا اسے موت نہیں آئے گی۔ لہذا یہاں "**الوجہ**" کا حقیقی معنی ہی مراد لیا جائے گا۔

اس موقف کی تائید قرآنی سیاق سے بھی ہوتی ہے جس کی طرف امام ابو بکر اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ بالکل غلط دعویٰ ہے کہ "الوجہ" سے مراد "ذات" ہے۔ یہ تو عربی زبان سے جہالت کی دلیل ہے۔ کیونکہ اس آیت "**وَيَبْقَى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ**" میں "ذو" مرفوع ہے جو کہ "وجہ" کی صفت ہے نہ کہ "رب" کی۔ جیسا کہ " **تَبَارَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ**" میں "ذی" صفت ہے اور "رب" موصوف۔ لہذا اول الذکر آیت میں "وجہ" سے مراد "وجہ" ہی نہ کہ "ذات"۔[19]

لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ[20] **(88)**

اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے ہر چیز فنا ہونے والی ہے سوائے اس کے چہرے کے۔

اس آیت کریمہ کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات جس کا معزز چہرہ ہے کبھی فنا ہونے والی نہیں ہے۔ اسی طرح قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفتِ "**الوجہ**" کا اثبات چودہ مرتبہ فرمایا ہے۔

احادیث نبویہ ﷺ میں "**الوجہ**" کا معنی و مفہوم:

احادیث نبویہ ﷺ میں پوری بست وکشاد کے ساتھ اس صفت کا اثبات پایا جاتا ہے ذیل میں چند ایک امثلہ پیش کی جارہی ہیں۔

ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ سوتے نہیں ہیں اور نہ ہی ان کے لائق ہے کہ وہ سوئیں، وہ میزان کو اونچا نیچا کرتے ہیں، رات بھر کے کام دن بھر کے کاموں سے پہلے اس کی طرف اٹھالیے جاتے ہیں، اور دن بھر کے کام رات کے کاموں سے پہلے اس کی طرف اٹھالیے جاتے ہیں، اس کا حجاب نور ہے، اگر وہ اس پردہ کو ہٹادے تو اس کے چہرے کی تجلیاں ہر اس چیز کو جہاں تک اس کی نظر اس کی مخلوقات پر پڑے جلا کے رکھ دے۔[21]

اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کی صفت "وجہ "کا اثبات ہے۔ اس حدیث میں اس صفت کی وضاحت اس قدر تفصیل سے ہوئی کہ اس میں کوئی تاویل یا تعطیل کا امکان باقی نہیں بچتا۔

حضور اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی صفتِ "وجہ "کا بہت سے مقامات پر واسطہ دے کر عذاب سے پناہ مانگی ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی" **قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَى أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِنْ فَوْقِكُمْ** "[22] تو آپ علیہ السلام نے فرمایا"میں تیرے چہرے کے واسطہ تجھ سے اس عذاب سے پناہ میں آتا ہوں"[23]

اسی طرح حضور اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے اس کی صفتِ "وجہ "کا واسطہ دے کر کئی جگہ پر دعا فرمائی ہے۔ جیسا کہ سنن نسائی میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کی دعا کے یہ الفاظ سنے ہیں "میں تجھ سے تیرے معزز چہرے کی طرف دیکھنے کی لذت کا سوال کرتا ہوں اور تیری ملاقات کے شوق کا سوال کرتا ہوں"۔[24]

حضرت حارث اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے؛

"اللہ تعالیٰ نے تمہیں نماز کا حکم دیا ہے اور جب بندہ نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی ذات اپنا چہرہ بندے کی طرف کرتا ہے یہاں تک کہ بندہ سلام پھیر لے "[25]

یہ بات تو سب کے ہاں ثابت ہے کہ دعا صرف اور صرف اللہ تعالیٰ سے مانگی جاتی ہے اور اسی طرح دعا اور پناہ مانگتے ہوئے صرف اللہ تعالیٰ کی صفات کا ہی واسطہ دیا جاسکتا ہے، اور کسی مخلوق سے ہرگز دعا نہیں مانگی جاسکتی۔ تو مذکورہ احادیث سے ثابت ہوا کہ حضور اکرم جس چیز کا واسطہ دے کر دعا مانگ رہے ہیں یا عذاب سے پناہ مانگ رہے ہیں وہ مخلوق نہیں ہوسکتی۔ یقیناوہ اللہ تعالیٰ ہیں اور اس کی صفت "**الوجہ**" ہے۔

الغرض اللہ تعالیٰ کی صفت "**الوجہ**" کو حقیقت پر محمول کیا جائے گا، اس میں نہ تاویل کی جائے گی اور نہ ہی تعطیل اور نہ ہی تشبیہ دی جائے۔ اللہ تعالیٰ کی صفت ویسے ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی شایان شان ہے، اس کی کنہ و حقیقت اللہ ہی جانتا ہے۔

- **"کان عرشہ علی الماء" اس کا عرش (مرکزی اقتدار) پانی پر ہے۔**[26]
- **"ماء" سے مراد پانی نہیں ہے۔ یہ بیان تمثیلی یا تشبیہی ہے"۔**[27]

پرویز کے نزدیک عرش الٰہی سے مراد "اقتدار" ہے اس مفہوم کو سمجھانے کے لیے لفظ "عرش" کا انتخاب کیا ہے۔ جبکہ یہ واضح طور پر صفات اللہ میں تاویل کا ارتکاب ہے۔ اس طرح کی یہ تاویل قرآن حکیم کے واضح بیانات کی مخالفت ہے اور احادیث کے مقررات کے منافی ہے۔

عرش کا معنی، قرآن اور ادب عربی میں:

ابن فارس "عرش" کا لغوی معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں "ایک بنی ہوئے چیز کی بلندی پر دلالت کرتا ہے"[28] ادب عربی میں عرش سے مراد بادشاہ کا تخت بھی ہوتا ہے" **إِنِّي وَجَدتُّ امْرَأَةً تَمْلِكُهُمْ وَأُوتِيَتْ مِن كُلِّ شَيْءٍ وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيمٌ**"[29] اور اسی طرح اس کا اطلاق چھت پر بھی ہوتا ہے"**وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَى عُرُوشِهَا**"[30]

امیہ بن صلت کے شعر میں بھی اللہ تعالیٰ کے لیے ایک عرش کا اثبات موجود ہے۔

مجدوا الله وهو للمجد أهل ... ربنا في السماء أمسى كبيرا
بالبناء الأعلى الذي سبق الن ... اس وسوى فوق السماء سريرا

اللہ کی بزرگی بیان کرو کیونکہ وہی بزرگی کا اہل ہے، ہمارا رب آسمان میں بہت بڑا ہے۔

بہت ہی دور کی بلندی میں، جس نے لوگوں کو روشن کر دیا، اور آسمان کے اوپر اپنی مسند برابر کی۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے اشعار میں عرش کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے۔

شَهِدْتُ بِأَنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ ... [وَأَنَّ] النَّارَ مَثْوَى الْكَافِرِينَا
وَأَنَّ الْعَرْشَ فَوْقَ الْمَاءِ طَافٍ ... وَفَوْقَ الْعَرْشِ رَبُّ الْعَالَمِينَا
وَتَحْمِلُهُ مَلَائِكَةٌ شِدَادٌ ... مَلَائِكَةُ الْإِلَهِ مُسَوَّمِينَا

میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ برحق ہے۔۔۔اور بے شک کافروں کا ٹھکانہ آگ ہے۔

اور بے شک عرش پانی کے اوپر پھیلا ہوا ہے۔اور عرش کے اوپر تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

اس عرش کو سخت جان فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں،اللہ تعالیٰ کے فرشتے جو نشان شدہ ہیں۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے اپنے "عرش" کے اثبات کا تذکرہ اکیس مختلف مقامات پر کیا ہے۔ان تمام مقامات کے مطالعہ سے واضح طور ثابت ہوتا ہے کہ پرویز کی اس تاویل کی سرے سے کوئی گنجائش نہیں ہے۔بلکہ عرش ایک حقیقت کا نام ہے جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں کئی مقامات پر ذکر کیا ہے۔اس پر مستزاد یہ کہ احادیث میں اس قدر تفصیل بیان ہو چکی ہے کہ کسی تاویل یا تعطیل کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ذیل میں چند ایک آیات اور احادیث درج کی جا رہی ہیں جو پرویز کی تاویل کے رد کو مستلزم ہیں؛

{وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَانِيَةٌ}[31]

"اور آٹھ (فرشتے) اٹھائے ہوئے ہوں گے تیرے رب کے عرش کو اس دن اپنے اوپر"

اب یہاں کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ عرش کا معنی اقتدار کیا جائے، کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس روز اللہ تعالیٰ کے اقتدار کو کوئی دوسرا اٹھانے والا ہو گا، پھر اس کے قادر مطلق ہونے کا مطلب کیا ہو گا!؟ اور کیا اس کا اقتدار پانی پر تھا؟ یہ کیسی دور کی بہکی ہوئی تاویل ہے۔!

الَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُونَ بِهِ

جو لوگ عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو اس کے گرد حلقہ باندھے ہوئے ہیں یعنی فرشتے وہ اپنے رب کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتے رہتے ہیں اور اس کے ساتھ ایمان رکھتے ہیں۔

{إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ (19) ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ (20)} [التکویر: 19، 20]

بے شک یہ قرآن (اللہ) کا کلام ہے ایک معزز فرشتہ (یعنی جبرائیل (علیہ السلام) کا لایا ہوا۔وہ رسول قوت والا، عرش والے کے نزدیک بلند مقام والا ہے۔

{الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى} [طہ 5]

رحمٰن عرش پر مستوی ہوا۔ یہاں عرش کا معنی اقتدار کرنا بعید از سیاق ہے۔

وَتَرَى الْمَلَائِكَةَ حَافِّينَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ

اور تو فرشتوں کو دیکھے گا عرش کے گرد گھیرا ڈالے ہوئے اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کر رہے ہیں۔

اب اگر یہاں عرش کا ترجمہ اقتدار کیا جائے تو معنی ہو گا کہ فرشتے یا پرویز کے نزدیک کائناتی قوتیں اللہ تعالیٰ کے اقتدار کو ارد گرد سے گھیرے ہوئے ہیں۔یہ کیسا مبنی بر تعجب خیال ترجمہ ہو گا۔ہاں یہ تو عین معقول ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ایک مخصوص مخلوق اس کے گرد اس کی حمد و تعریف میں مصروف عمل رہے۔

احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم میں عرش کا مفہوم

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.5 No.3 2021

اب عرش کا معنی و مفہوم حضور اکرم سے معلوم کرتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات کے بارے سب سے بڑھ کر علم ہے۔ اس سلسلہ میں چند ایک احادیث پیش کی جا رہی ہیں۔

عرش ایک مخصوص مقام پر ہے:

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آیا، نمازیں ادا کیں، رمضان کے روزے رکھے، بس پھر اللہ پر حق ہے کہ اس بندے کو جنت میں داخل کرے، خواہ اس نے راہِ اللہ میں ہجرت کی ہو یا گھر بیٹھا رہا ہو، صحابہ نے عرض کی، کیا اس خبر کو لوگوں تک نہ پہنچا دیا جائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا، جنت کے سو درجات ہیں سب سے اعلیٰ راہِ اللہ میں جہاد کرنے والوں کے لیے ہے۔ ہر دو درجات کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا زمین و آسمان میں ہے، تو جب بھی تم اللہ تعالیٰ سے مانگو، تو جنت الفردوس ہی مانگو، کیونکہ یہ جنت کا اوسط اور اعلیٰ درجہ ہے۔ اور پھر اس کے اوپر رحمٰن عزوجل کا عرش ہے، اسی جنت سے نہریں پھوٹتی ہیں[32]۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا عرش ایک مخصوص مقام پر ہے جو جنت الفردوس سے بھی اوپر ہے۔ اگر عرش سے مراد اقتدار ہو تو یہ باطل معنی لازم آئے گا کہ رحمن کا اقتدار جنت الفردوس کے اوپر ہے اور یہ بداہتاً غلط تصور ہے۔

اسی طرح ابوہریرہؓ کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس ایک کتاب میں لکھا، وہ کتاب اس کے پاس عرش کے اوپر ہے، کہ "میری رحمت میرے غضب پر غالب آگئی ہے"۔ معلوم ہے کہ وہ کتاب یعنی لوح محفوظ عرش کے اوپر اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

عرش کا سایہ:

دنیا میں اللہ تعالیٰ کی خاطر آپس میں محبت کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اپنے عرش کا سایہ نصیب فرمائے گا جبکہ اس روز اس کے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہیں ہو گا۔

عرش کے کیفیت

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ ایک یہودی نے کہا کہ "اس ذات کی قسم جس نے موسیٰ کو تمام تر بشر پر منتخب کیا" تو ایک انصاری نے اس کے طمانچہ دے مارا، اور کہا کہ تو یہ بات کرتا ہے! جبکہ رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان موجود ہیں! تو اس بارے رسول اللہ ﷺ کو بتایا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "صور میں پھونکا جائے گا تو زمین و آسمانوں میں رہنے والے تمام بے ہوش ہو جائیں گے ماسوائے جن کو اللہ مستثنیٰ کر لے گا۔ پھر دوسری بار صور پھونکا جائے گا تو اچانک سب کھڑے دیکھ رہے ہوں گے، تو میں ہی وہ پہلا ہوں گا جو اپنا سر اٹھاؤں گا، اچانک میرے سامنے موسیٰؑ ہوں گے جو عرش کا ایک پایہ پکڑے کھڑے ہوں گے۔ مجھے نہیں معلوم کہ موسیٰؑ نے اپنا سر مجھ سے پہلے اٹھایا یا وہ ان لوگوں میں سے تھے جن کو اللہ تعالیٰ مستثنیٰ کر دیا تھا"[33]

اس حدیث مبارک میں عرش کے قوائم کی کیفیت کے بارے مزید معلومات ملتی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ کوئی معنوی چیز نہیں جس سے مراد اقتدار وغیرہ ہو۔ بلکہ یہ ایک مبنی بر حقیقت مخلوق ہے جیسا کہ کتاب و سنت کی نصوص میں بیان ہوئی ہے۔

عرش کا وزن:

حضور اکرم ﷺ دعا میں اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہیں کہ اس کی حمد اس کی مخلوقات کے تعداد کے برابر، اور اس کی اپنی رضا کے برابر اور عرش کے وزن کے برابر اور اس کے کلمات کی سیاہی کے برابر"

امام ابن تیمیہ یہاں استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ عرش کا وزن ہر مخلوق ہر چیز کے اوزان سے زیادہ ہے۔[34]

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.5 No.3 2021

حاملین عرش کی کیفیت:

حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اجازت دی گئی ہے کہ میں حاملین عرش فرشتوں میں سے ایک کے بارے کچھ بتاؤں "ایک فرشتے کے کان کی لو سے اس کی گردن تک سات سو سال کی مسافت جتنا فاصلہ ہے۔

کتاب وسنت کی مذکورہ بالا نصوص سے معلوم ہوا کہ عرش اللہ تعالیٰ کی تمام تر مخلوقات میں سے ایک بہت عظیم مخلوق ہے۔ اور یہ کہ عرش سے مراد اقتدار وغیرہ نہیں ہے۔

- **"یکشف عن ساق" یہ عربوں کا محاورہ تھا جسے وہ اس وقت بولتے تھے جب کوئی سخت مرحلہ سامنے آجائے۔... بہر حال، اس کے معنی شدت کی سختی اور گھبراہٹ کے ہیں[35]۔ "يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَيُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ "[36]**
- **"التفت الساق بالساق"، شدت پر شدت جمع ہوگئی، مشکلات اکٹھی ہوتی چلی گئیں"[37]۔**

سیاقِ قرآن کے مخالفت:

پہلی بات تو یہ ہے کہ یہاں "ساق" سے مراد "شدت اور گھبراہٹ" نہیں ہے کیونکہ یہ سیاقِ قرآن کے منافی و مخالف ہے، آیت مذکورہ میں قیامت کے روز کفار کے احوال کا تذکرہ ہے۔ مکمل آیت کا ترجمہ یوں ہے "جس دن عظیم ترین پنڈلی کھولی جائے گی اور وہ سجدے کی طرف بلائے جائیں گے تو وہ طاقت نہیں رکھیں گے"۔ اب کشف کا ترجمہ زائل کرنا اور ہٹانا ہوتا ہے، اگر پرویز کے ترجمہ کو قبول کیا جائے تو معنی ہوگا کہ کفار سے اس دن سختی کو ہٹا دیا جائے گا۔ حالانکہ وہی تو روز ہوگا جس دن کفار کے ساتھ سختی برتی جائے گی۔

دوسری بات یہ کہ سب سے پہلے کسی بھی لفظ کا اصل معنی کا اثبات کیا جاتا ہے پھر اس کا لازم معنی مراد لیا جاتا ہے۔ لہٰذا پہلے ساق کو اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت کیا جائے گا پھر دیکھا جائے گا کہ سیاق سے اس کا لازم معنی مراد لیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر اصل معنی چھوڑ کر لازم معنی کی طرف جایا جائے تو یہ واضح تحریف ہے۔

تیسری بات یہ کہ مذکورہ آیت میں ہے کہ انہیں سجدہ کی طرف بلایا جائے گا، جبکہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو بجا ہے، تو یہاں ساق سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہے۔

حدیث نبوی ﷺ کے مفہوم کی مخالفت:

پرویز نے ساق کا جو مفہوم بیان کیا ہے وہ واضح طور پر حدیث مبارک میں موجود ساق کے مفہوم کے مخالف ہے۔ حدیث مبارک میں اس آیت کی تشریح موجود ہے اور ساق کے مفہوم کا تعین ہو چکا ہے، جیسا کہ حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "ہمارا رب اپنی پنڈلی سے (پردہ) ہٹائے گا، تو سب مومن مرد اور مومن عورتیں سجدہ ریز ہو جائیں گے، اور جو دنیا میں ریاء کاری اور دکھلاوے کے سجدے کرتے تھے وہ رہ جائیں گے، وہ سجدہ کی کوشش کریں گے مگر ان کی کمر واپس سیدھی کھڑی لوٹ آئی گی۔ (یعنی سجدہ کرنے سے عاجز آجائیں گے)

اس حدیث میں "ساق" کا مفہوم بالکل واضح متعین ہو جاتا ہے کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی صفت ذات ہے نہ کہ شدت وغیرہ مراد ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں امام شوکانی فرماتے ہیں اس آیت کی تفسیر میں رسول اللہ ﷺ کی مذکورہ صحیح حدیث نے ہمیں مستغنی کر دیا ہے۔ اور یہ تجسیم یا تشبیہ کو ہرگز لازم نہیں، کیونکہ اس جیسی تو کوئی چیز نہیں ہے[38]۔

پرویز کا مفہوم برخلاف قواعد عربیہ

مذکورہ آیت میں ساق سے شدت مراد لینا ہرگز صحیح نہیں ہے کیونکہ لغت عرب میں "کشف" کا مفعولِ اول بغیر صلہ کے آتا ہے حرف جار لانے ضرورت نہیں ہوتی ہے۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ہے " وَلَوْ رَحِمْنَاهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِنْ ضُرٍّ "اور اگر صلہ یا حرف جار لایا جائے تو وہاں "کشف" فعل، دوسرے مفعول کا بھی متقاضی ہوتا ہے جیسا کہ قرآن پاک میں ہے" فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ "۔ تو جان لینا چاہیے زیر بحث آیت میں "عذاب اور شدت "مکشوف ہے نہ کہ مکشوف عنہ۔

اور ویسے بھی جان لینا چاہیے کہ مذکورہ آیت میں "عن" بیان اور وضاحت کے لیے ہے، جس سے مکشوف اور مکشوف عنہ کی تعیین بہم ہو رہی ہے۔

پرویز کے منظور نظر مفہوم کے لیے سیاق کی عبارت یوں ہونا چاہیے تھی" يَوْمَ يُكْشَفُ سَاقٌ"، لہٰذا کسی بھی صورت پرویز کا بیان کردہ مفہوم درست نہیں ہے۔ اس کی حیثیت ماسوائے تحریف اور تفرد کے اور کچھ نہیں۔

ایک معلوم چیز جس پر سب کا اتفاق ہے وہ یہ کہ تمام گروہ اللہ تعالیٰ کے لیے ذات کا اثبات کرتے ہیں۔ جب ذات کا اثبات کرتے ہیں تو انہیں یہ خیال کیوں نہیں آتا کہ کہیں ذات کے اثبات سے مخلوق سے مشابہت نہ ہو جائے؟! تو اس خدشہ سے ذات کی نفی کیوں نہیں کرتے؟!۔ اگر تعطیل کرنا تھی تو یہاں کرتے اور اگر تشبیہ کا خدشہ تھا تو سب سے پہلے ذات کے اثبات پر تھا۔ لہٰذا اگر اللہ تعالیٰ کی ذات کے اثبات کے وقت کوئی مخلوق سے تشبیہ کا قائل نہیں تو بقیہ صفات میں بھی نہیں ہونا چاہیے اسی طرح جب کہا جاتا ہے کہ اس کی ذات جیسی کوئی ذات نہیں تو بقیہ صفات میں بھی یہی نظریہ رکھنا چاہیے کہ اس کی صفات جیسی کسی کی صفات نہیں۔ اس کی تمام صفات ذاتی، صفاتی اسی کی شایان شان ہیں، اس جیسا کوئی نہیں ہے۔
الغرض اللہ تعالیٰ کے لیے قرآن وسنت میں بیان شدہ "وجہ، ساق، ید، اصابع، قدم، اعین" صفات کا اثبات ویسے ہی کیا جائے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا اثبات بغیر تشبیہ، بغیر تعطیل اور بغیر تاویل کے کیا جاتا ہے۔

- **"لقاء ربہ" کے معنی ہیں کہ خدا کے نظام ربوبیت کا محسوس شکل میں سامنے آجانا"[39]۔ بعض لوگ "لقاء ربہ" سے متعلق آیات سے یہ مفہوم لیتے ہیں کہ آخرت میں انسان کو خدا کا دیدار ہو گا۔**

سیاقِ قرآن اور قواعد عربیہ سے "رؤیۃ اللہ" کا اثبات:

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "جس روز وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کریں گے ان کا تحفہ سلام ہو گا"۔ یہاں غور کریں جب لقاء اور تحیۃ اکٹھے کلام میں مذکور ہوں تو لقاء سے صرف ملاقات ہی مراد لی جاسکتی ہے، دوسرا کوئی بھی مفہوم مراد نہیں لیا جاسکتا وگرنہ سیاق کا معنوی توازن برقرار نہیں رہتا۔ اور یہاں لقاء اور تحیۃ دونوں ایک ہی کلام میں اکٹھے ہوئے ہیں لہٰذا مذکورہ نص میں رؤیۃ اللہ کے اثبات پر قطعیت پائی جاتی ہے۔

قرآن پاک میں ایک جگہ مرقوم ہے کہ "وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربھا ناظرۃ "یعنی اس روز کچھ چہرے تروتازہ ہوں گے، اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے"۔ یہاں جان لینا چاہیے کہ جب عربی زبان میں "نظر" کا صلہ "الی" آجائے تو اس سے صرف رویت کا مفہوم ہی مراد لیا جاتا ہے بقیہ تمام مفہوم غیر مراد ہو جاتے ہیں۔ چونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی طرف دیکھنے کے لیے عربی کے کے یہی الفاظ استعمال کیے گئے ہیں لہٰذا یہاں رویت الٰہی کے علاوہ دوسرا کوئی بھی معنی مراد نہیں لیا جاسکتا۔

روز قیامت دیدارِ الٰہی کا اثبات، قرآنی نصوص کی روشنی میں:

" وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ، إِلَى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ "[40] کچھ چہرے اس روز تروتازہ ہوں گے، اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔

"وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ مُلَاقُوهُ"[41] اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ یقیناً تم سب اس سے ملاقات کرنے والے ہو۔

"فَمَنْ كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا"[42] تو جو اپنے رب کی ملاقات کا خواہاں ہے اسے چاہیے نیک کام کرے۔

یہ تینوں آیات اور ان کے علاوہ بھی درجنوں آیات ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رؤیت اور ملاقات کے اثبات پر قرآن مجید میں موجود ہیں۔ اسی طرح دسیوں احادیث اسی مدعی کے اثبات پر ہیں، چند ایک درج ذیل ہیں؛

حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چودھویں رات کے چاند کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ بے شک تم اپنے رب کو اپنی آنکھوں سے دیکھو، جیسا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو، جس کو دیکھنے میں تمہیں کوئی دقت نہیں ہوتی۔[43]

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.5 No.3 2021

حضرت ابو موسیٰ ؓ حضور اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ دو جنتیں ہیں، ان دونوں کے برتن اور جو کچھ بھی ان دونوں میں، اور دو جنتیں سونے ،اس کے برتن اور سب کچھ بھی سونے کا ہے۔ بندوں کے اور اللہ کی رؤیت کے درمیان بس ایک ہی چیز حائل ہو گی اور وہ جنت میں اللہ تعالیٰ کے چہرے پر کبریائی کی چادر ہے[44]۔

"ضرور بضرور تم میں سے کوئی ایک اللہ تعالیٰ کو ایک روز ملے گا جبکہ اس کے اور اس کے رب کے درمیان کچھ بھی نہیں ہو گا حتیٰ کہ کوئی ترجمان بھی نہیں جو ترجمہ کرے"[45]

حضرت ابو ہریرہ ؓ نے فرمایا کہ صحابہ نے پوچھا اے اللہ کے رسول کیا ہم قیامت کے روز اپنے رب کو دیکھیں گے ؟، آپ نے فرمایا کہ کیا تمہیں سورج کو دیکھنے میں دقت ہوتی ہے جبکہ کوئی بادل بھی نہ ہو ؟ انہوں نے کہا، نہیں!، آپ ﷺ نے پوچھا کیا تم لیلۃ البدر کے چاند دیکھنے میں دقت محسوس کرتے ہو جبکہ کوئی بادل بھی نہ ہوں ؟ صحابہ نے فرمایا کہ ، نہیں ! آپ ﷺ نے فرمایا، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تم اپنے رب کو دیکھنے میں کوئی دقت نہیں محسوس کرو گے، ہاں مگر بس اتنا کہ جتنا ان دونوں کے دیکھنے میں محسوس کرتے ہو۔[46]

بئر معونہ پر شہادت پانے والے قراء کرام والی حدیث میں ہے کہ وہ کہیں گے "ہماری طرف سے ہماری قوم کو خبر پہنچا دو کہ ہم بلاشبہ اپنے رب سے ملاقات کر چکے ہیں، وہ ہم سے راضی ہوا اور ہم اس سے راضی ہوئے۔[47]

حضرت عائشہ ؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا خواہاں ہو، اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملاقات کے خواہاں ہوتے ہیں اور جو اس سے ملاقات کو ناپسند کرتے ہیں اللہ تعالیٰ بھی ان سے ملاقات کو ناپسند کرتے ہیں۔

اب اس حدیث میں ذرا برابر بھی تاویل کی گنجائش نہیں ہو سکتی کیونکہ اس کے الفاظ میں یک طرفہ نہیں دو طرفہ ملاقات کا اثبات ہے۔ ہر دو صورت میں ملاقات کا اثبات ہوتا ہے۔[48]

" **لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَى وَزِيَادَةٌ** " کی تفسیر میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب اہل جنت، جنت میں چلے جائیں گے اور اہل نار، نار میں چلے جائیں تو پکارنے والا پکارے گا کہ اللہ کی طرف ایک وعدہ ہے جو وہ چاہتا ہے کہ تمہارے ساتھ پورا کرے، وہ سب پوچھیں گے وہ کیا ہے ؟ کیا اس نے ہمارے اعمال کو وزنی نہیں کر دیا؟ کیا اس نے ہمارے چہرے سفید نہیں کر دیے ؟ کیا اس نے ہمیں جنت میں داخل نہیں کر دیا؟ کیا اس نے ہمیں آگ نہیں بچا لیا؟ (ان سب کے علاوہ کیا بچ گیا ہے جو ابھی نہیں ملا ؟) جو کچھ بھی انہیں ملا ہو گا وہ سب کا سب کم درجے کا ہو گا اللہ تعالیٰ کی طرف دیکھنے سے تو وہ پردہ ہٹا دے گا اور وہ اس کی طرف دیکھیں گے۔ یہی دیکھنا ان کے ہاں سب انعامات سے بڑھ کر ہو گا۔ اور یہی مراد ہے "الزیادہ" سے۔[49]

حضرت عبد اللہ بن عباس ؓ کے نزدیک رؤیت کا مفہوم:

حضرت عبد اللہ بن عباس ؓ سے قرآن کی اس آیت میں " لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَى وَزِيَادَةٌ "[50]، "زیادہ" کے بارے میں پوچھا گیا، تو آپ ؓ نے فرمایا کہ اس سے مراد اللہ کے چہرے کی طرف دیکھنا مراد ہے جو بلا کیف ہے۔[51]

امام شافعی کے نزدیک قرآن کریم میں دیدار الٰہی کا ثبوت:

" **كَلَّا إِنَّهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَمَحْجُوبُونَ** "[52] یعنی ہر گز نہیں، بے شک وہ اس روز اپنے روز سے پردے میں کر دیے جائیں گے۔ امام شافعی اور بعض دیگر ائمہ بھی قرآن کی اس نص سے استدلال کرتے ہیں کہ قیامت کے روز اہل جنت کو اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہو گا۔[53]

بروزِ قیامت رؤیۃ اللہ کے اثبات پر اجماع:

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

Vol.5 No.3 2021

امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ امت مسلمہ کے اسلاف کا اجماع ہو چکا ہے کہ مومن لوگ اللہ تعالیٰ کو قیامت کے روز اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے اور اس بات پر بھی اجماع ہے کہ مومن لوگ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی ذات کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے[54]۔

- **" یخافون ربھم من فوقھم "، "فوق "غلبہ اور تسلط کے معنوں میں آیا ہے۔ ان پر خدا کا جو غلبہ و تسلط ہے اس سے خائف رہتے ہیں"[55]۔**
- **" خدا کسی خاص مقام پر نہیں، جہاں سے قرب اور بعد ماپا جاسکے"[56]**

مذکورہ آیت میں "فوق" کی تاویل کی گئی اور پھر اس تاویل کی علت میں یہ موقف اختیار کیا گیا ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے جہت لازم آتی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے منافی ہے۔ یہ پرویز کی ذاتی قیاس آرائی ہے۔ جس کی حیثیت ماسوائے تفرد کے سوا کچھ نہیں۔

پوری امت مسلمہ کے اہل سنت علماء کا اس بارے میں واضح اور مجمع علیہ موقف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے اعتبار سے اپنے عرش پر بلند ہے اور اپنے علم اور قدرت کے لحاظ سے ہر جگہ ہمارے ساتھ ہے۔ قرآن وحدیث کی نصوص سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات جہت کے اعتبار سے عرش پر ہے اور عرش کی بلندی کا اندازہ حضرت جابرؓ کی مذکورہ روایت سے لگایا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کی بلندی پر ذیل میں قرآنی نصوص سے شواہد پیش کیے جارہے ہیں۔

نصوص قرآنیہ میں عُلوِ ذات باری تعالیٰ

" إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ"[57] ترجمہ اسی کی طرف ہر پاکیزہ بات چڑھتی ہے ز

" وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ "[58] ترجمہ اور وہ بلند ترین اور عظیم ترین ہے۔

" وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ"[59] ترجمہ اور وہ غالب ہے اپنے بندوں کے اوپر

" تَعْرُجُ الْمَلائِكَةُ وَالرُّوحُ إِلَيْهِ"[60] ترجمہ چڑھتے ہیں فرشتے اور روح اس کی جانب۔

" يَخَافُونَ رَبَّهُمْ مِنْ فَوْقِهِمْ "[61] ترجمہ وہ اپنے اوپر اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔

اس آیت میں "مِن" کے آنے سے "فوق" کے معنی میں اس قدر تقویت آگئی ہے کہ اس میں "بلندی" کے مفہوم کے علاوہ کوئی دوسرا مفہوم ہرگز محتمل نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح تیسری آیت میں بھی "عروج" کا معنی اس قدر واضح ہے کہ جس میں بلندی کا مفہوم بداہتًا معلوم ہے۔

" بَل رَّفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ " بلکہ اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھالیا

" يَا عِيسَى إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ " اے عیسیٰ! بیشک میں تجھے قبض کرنے والا ہوں اور تجھے اپنی طرف اٹھانے والا ہوں

یہ دونوں آیات بھی اللہ تعالیٰ کی بلند جہتی پر دلالت کرتی ہیں۔ رفع کا مطلب بلند کرنا ہوتا ہے اور "الی" کی مصاحبت نے مزید توضیح کر دی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف بلند کیا جس سے اللہ تعالیٰ کی ذات کی جہت معلوم ہوتی ہے کہ وہ بلند ہے۔ اسی وجہ سے یہاں "رافع" کا کوئی بھی مجازی معنی سیاق سے ہم آہنگ نہیں ہو سکتا۔

"وَقَالَ فِرْعَوْنُ يَاهَامَانُ ابْنِ لِي صَرْحًا لَعَلِّي أَبْلُغُ الْأَسْبَابَ () أَسْبَابَ السَّمَاوَاتِ فَأَطَّلِعَ إِلَى إِلَهِ "[62]

"اور فرعون نے کہا اے ہامان! میرے لیے ایک بلند عمارت بنا، تاکہ میں راستوں پر پہنچ جاؤں، (یعنی) آسمانوں کے راستوں پر، پس موسیٰ کے معبود کی طرف جھانکوں"

یہاں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو جو اللہ تعالیٰ کا تعارف کرایا تھا اس میں یہ بات بالکل واضح تھی کہ موسی کے معبود کی ذات بلندیوں میں ہے جس کی وجہ سے اس نے ہامان وزیر سے آسمان تک رسائی کے اسباب کا حکم دیا۔ یہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بلندی میں نہ ماننا فرعونی نظریہ ہے۔

احادیث نبویہ میں جہتِ علو کا اثبات

حضرت ابوہریرہؓ حضور اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں "ہمارے بابرکت اور بلند و بالا پروردگار ہر رات دنیاوی آسمان اترتے ہیں، جب رات کا دوسرا ثلث باقی رہ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کون ہے جو مجھے پکارے تو میں اس کی پکار کا جواب دوں! کون ہے جو مجھ سے مانگے میں اس کو عطا کروں، کوئی ہے کو مجھ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگے میں اسے معاف کردوں[63]۔

اس حدیث میں ثابت ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ رات کے آخری پہر دنیاوی آسمان پر تشریف لاتے ہیں، جس کا لازمی معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی جہت علو میں ہے۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.5 No.3 2021

اسی طرح حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے قصہ نکاح میں بھی دلیل موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں کی بلندیوں سے بھی اوپر ہے، جیسا کہ وہ دیگر امہات المومنین پر فخر کرتی ہوئی کہتی ہیں: " **زوجكن أهاليكن وزوجني الله من فوق سبع سماوات** " یعنی تمہارے نکاح تمہارے گھر والوں نے منعقد کروائے جبکہ میرا نکاح اللہ تعالیٰ نے ساتوں آسمانوں کے اوپر سے خود کروایا۔ یہاں بھی "فوق "کا معنی بلندی متعین ہو چکا ہے "من" کے آنے کی وجہ سے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک واقعہ مروی ہے جس میں ہے کہ ایک آدمی ایک سیاہ فام لونڈی کو لایا اور رسول اللہ ﷺ سے عرض کی کہ میرے ذمہ ایک مومنہ کو آزاد کرنا فرض ہو گیا ہو، تو آپ ﷺ نے اس لونڈی سے پوچھا اللہ تعالیٰ کہاں ہیں؟ "**فأشارت إلى السماء بإصبعها** "تو اس نے اپنی انگلی سے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔ اس پر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا یہ مومنہ ہے اسے آزاد کر دے۔

تو معلوم ہوا کہ مومن کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی ذات آسمانوں کی بلندیوں کے اوپر ہے۔

حوالہ جات

---

[1]: أبوحنيفة، نعمان بن ثابت، الفقه الأكبر، مكتبة الفرقان-الإمارات العربية، 1999ء، ص:14-29

[2]: پرویز، لغات القرآن، ج:3، ص:1425

[3]: زبیدی، محمّد بن محمّد، تاج العروس من جواهر القاموس، دار الفكر، 1424ھ، ج:1، ص: 24

[4]: غزالی، أبو حامد محمد بن محمد، المستصفى في علم الأصول، 1997ء، ج:1، ص: 190

[5]: قرافی، أحمد بن إدريس، الفروق للقرافي، دار الكتب العلمية، 1998، بیروت، ج:3، ص: 72

[6]: ابن منظور افریقی، محمد بن مکرم، دار النشر، القاهره، ج:6، ص:194

[7]: صہیب، عبد الجبار، الجامع الصحیح للسنن والمسانید، 2014ء، ج:1، ص: 101

[8]: الطبري، محمد بن جرير، جامع البيان، مؤسسة الرسالة، 1420ھ، ج:5، ص: 399

[9]: ابن خزیمہ، أبو بكر محمد بن إسحاق، كتاب التوحيد، دار المغني، رياض، حديث نمبر:187

[10]: ابن کثیر، ابوالفداء، اسماعیل بن عمر، تفسیر القرآن العظیم، مؤسسہ قرطبہ، ج: 1، ص: 310

[11]: المحاربي، أبو محمد عبد الحق بن غالب، المحرر الوجيز في تفسير الكتاب العزيز، دار الكتب العلمية-بيروت، ج:1، ص: 342

[12]: رازی، أبو عبد الله محمد بن عمر، مفاتيح الغيب، دار إحياء التراث العربي- بيروت، ج:7، ص: 1 2

[13]: شوکانی، محمد بن علی، فتح القدیر، دار ابن كثير، بيروت، 1414ھ، ج:1، ص: 272

[14]: نواب قنوجی، محمد صدیق خان، فتح البيان في مقاصد القرآن، مکتبہ عصریہ، بیروت، 1412ھ، ج:2، ص: 93

[15]: الكلبي، محمد بن أحمد بن جزي، التسهيل لعلوم التنزيل، شرکة دار الأرقم بن ابی الأرقم، بیروت، سنة 1416ھ

[16]: پرویز، لغات القرآن، ج:3، ص:1689

[17]: محمد رشید رضا، تفسیر المنار، الهيئة المصرية العامه، للكتاب، 1990، ج:9، ص: 123

[18]: محمد رشید رضا، تفسیر المنار، ج:3، ص: 164

[19]: لالکائی، بو القاسم ہبۃ اللہ، شرح أصول اعتقاد أهل السنة، باب نمبر:21، ص:32

[20]: القصص 28: 88

[21]: ابن ماجہ، محمد بن یزید، سنن ابن ماجه، دار إحياء الكتب العربية، حلب، حديث نمبر:195

[22]: الأنعام:65

[23]: بخاري، صحيح البخاري، دار طوق النجاة، دمشق، 1422ھ، حديث نمبر: 7506

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.5 No.3 2021

[24] :نسائی، ابوعبدالرحمن، سنن النسائی ،مکتب المطبوعات الإسلامیہ ،حلب ،1986ء،حدیث نمبر:1305
[25] : ابن خزیمہ ، أبو بکر محمد بن إسحاق، صحیح ابن خزیمہ ،المکتب الاسلامی، بیروت ،حدیث نمبر:483
[26] : پرویز،لغات القرآن،ج:3،ص:1150
[27] :پرویز،لغات القرآن،ج:3،ص:535
[28] : ابن فارس،احمد، معجم مقاییس اللغہ،دار الفکر ،1979ء،ج: 4،ص:264
[29] : النمل: 23
[30] : البقرۃ: 259
[31] : الحاقہ: 17
[32] : احمد،احمد بن حنبل،مسند احمد،موسسہ رسالہ،2001ء،حدیث نمبر: 8474
[33] : ابن ماجہ،سنن ابن ماجہ،حدیث نمبر:4274
[34] : ابن تیمیہ،احمد بن عبد الحلیم،الرسالۃ العرشیۃ،مطبعہ سلفیہ،ص:8
[35] :پرویز،لغات القرآن،ج:3،ص:1434
[36] : القلم:42
[37] : پرویز،لغات القرآن،ج:3،ص:1495
[38] : شوکانی،فتح القدیر،ج: 5،ص: 332
[39] : پرویز،لغات القرآن،ج:3،ص:1500
[40] : القیامہ: 22, 23
[41] : البقرہ: 223
[42] : الکھف: 110
[43] : بخاری، صحیح البخاری،حدیث نمبر:7435
[44] : ترمذی،ابوعیسٰی محمد بن عیسٰی، سنن ترمذی،دار الغرب الإسلامی، بیروت ،1998ء،حدیث نمبر:2528
[45] : بخاری، صحیح البخاری،حدیث نمبر:3595
[46] : ابوداود، سلیمان ابن اشعث، سنن ابی داود، مکتبۃ العصریہ،بیروت ،حدیث نمبر:4730
[47] : بخاری، صحیح البخاری،حدیث نمبر:2801
[48] : بخاری، صحیح البخاری،حدیث نمبر:6507
[49] : ترمذی، سنن ترمذی،حدیث نمبر:2552
[50] : یونس:26
[51] : باقلانی،الانصاف، محمد بن الطیب ،ص:14
[52] : المطففین: 15
[53] :ناصر العقل،شرح الطحاویہ،ج:7،ص:30
[54] : ابن تیمیہ،احمد بن عبد الحلیم، مجموع الفتاوی، مجمع الملک فہد،سعودی عرب،ج: 6،ص: 512

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.5 No.3 2021

---

[55] : پرویز، لغات القرآن، ج:3، ص:1312

[56] : پرویز، لغات القرآن، ج:3، ص:1346

[57] :فاطر:10

[58] : البقرة255

[59] : الانعام:58

[60] : المعارج:4

[61] : النحل: 50

[62] : غافر:36،37

[63] : بخاری، صحیح البخاری، حدیث نمبر: 6321